

## امت کو ترجیحات کی ضرورت: موجودہ دور میں

### • ترجیحات کے توازن میں خرابی

اگر ہم اپنی زندگی پر غور کریں اور مادی، معنوی، فکری، معاشرتی، معاشی اور سیاسی ہر پہلو سے اس پر نظرڈالیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ ہمارے ہاں ترجیحات کا توازن کامل طور پر تھہ دبala ہو چکا ہے۔

تقریباً تمام اسلامی حمالک میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک عجیب طرح کی افراط اور تفریط ہے۔

فن و تفریع کو تعلیم و تعلم پر ترجیح دی جاتی ہے۔

نوجوانوں کی سرگرمیوں میں جسمانی ورزشوں کو عقل و فکر اور روحانی تربیت پر مقدم کیا جاتا ہے، گویا کہ نوجوانوں کی تربیت کا ایک ہی مطلب ہے کہ ان کی جسمانی تربیت کی جائے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا انسان صرف جسم کا نام ہے یا انسان کی انسانیت اس کے جسم اور عقل کے مجموعے کو کہتے ہیں۔

پرانے زمانے کی بات ہے۔ ہم ابو الفتح الہستی کی یہ مشہور لفظ یاد کیا کرتے تھے:

يَا أَخَادِمَ الْجِسْمِ كُمْ تَسْعَى لِلْعِدْمِيَهِ      أَتَطْلُبُ الرِّبَعَ مِمَّا فِيهِ خُسْرَانٌ؟  
أَقْبَلَ عَلَى النَّفْسِ وَأَسْتَكْمِلَ لِفَضَائِلَهَا      فَأَنْتَ بِالنَّفْسِ لَا بِالْجِسْمِ إِنْسَانٌ!

اے جسم کے خادم! تو کب تک اس کی خدمت کرتا ہے گا؟ کیا تو اس چیز سے کمالی کی  
امید لگائے بیٹھا ہے جس میں نقصان ہی نقصان ہے؟

نفس کی طرف توجہ کرو اور اس کے فضائل کی تکمیل کر دو۔ تو اگر انسان ہے تو جسم کی وجہ سے  
نہیں بلکہ نفس کی وجہ سے ہے۔

اور اس سے پہلے ہم نے زہیر بن ابی سلمی کے متعلقہ سے یہ شعر یاد کیا تھا:

لِسَانُ الْفَتْنَى نِصْفٌ وَنِصْفٌ فُؤَادُهُ  
فَلَمْ يَقِنْ إِلَّا صُورَةُ اللَّحْمِ وَالدَّمِ  
نوجوان کی زبان اس کا آدھا حصہ ہے، باقی آدھا اس کا دل و دماغ ہے۔ [اگر دل  
و دماغ کو نکال دیں] تو انسان گوشت پوسٹ کے ایک بت کے سوا کچھ نہیں رہتا۔

لیکن آج کل ہم دیکھتے ہیں جیسے انسان ہر جیز سے پہلے جسم اور اعصاب کا نام ہے۔

پچھلے سال [۱۹۹۳ء کے] موسم گرم میں مصر کے لوگوں کا اس کے علاوہ کوئی موضوع بحث  
نہیں تھا کہ ایک کھلاڑی کا بس فروخت کے لیے پیش کیا گیا تھا اور اس کی قیمت تقریباً  
ساری ہے تین لاکھ جنیہ تک پہنچ گئی تھی۔

کاش، کہ یہ لوگ تفریح کی ان قسموں کا اہتمام کرتے ہوتے جس سے عوام اپنی روزمرہ  
زندگی میں مستفید ہو سکتے ہیں۔ مگر ان کی ساری توجہ تکمیل کے مقابلوں کی طرف ہوتی ہے، خاص  
طور پر فٹ بال [اور کرکٹ]، جس میں چند کھلاڑی تکمیل رہے ہوتے ہیں اور باقی محض دل  
بھلانے والے تماشائی ہوتے ہیں۔

معاشرے میں شہرت اور ستاروں کا مقام نام و رعلم، ادیبوں اور اہل دین و دانش کو نہیں  
بلکہ اداکاروں، گلوکاروں اور کھلاڑیوں کو حاصل ہے۔

اخبارات و رسائل، ٹی وی اور ریڈیو کے مذاکروں کا موضوع بحث یہی لوگ ہوتے ہیں۔  
میڈیا پر ان کے مکملوں اور کارناموں کی خبریں نشر ہوتی رہتی ہیں، خواہ وہ کتنی ہی غیر اہم کیوں  
نہ ہوں۔ رہے دوسرے لوگ [جو کوئی فائدے کا کام کرتے ہیں] ان کا کسی کوسایہ بھی نہیں لگنے  
دیا جاتا بلکہ وہ طاقتی نیاں میں پڑے رہتے ہیں۔

اگر ایک فن کا رفتہ ہو جائے تو پوری دنیا میں تمہارے بھی جاتا ہے اور اخبارات اس کے  
بارے میں تعریف و توصیف کے دریا بھاڑیتے ہیں مگر کوئی عالم، ادیب، یا کوئی بڑا ماہر فن وفات  
پاتا ہے تو کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

معاشی پہلو سے دیکھا جائے تو کھیل کو دا اور فن کاری کو فروع دینے کے لیے، اور حکمرانوں  
کی ذاتی خاکہت کے لیے تو بڑی بڑی ریسیز خرچ کی جاتی ہیں، جسے 'ملکی امن و امان' کا نام  
دیا جاتا ہے، اور کسی میں یہ پوچھنے کی جرأت نہیں ہوتی کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔

دوسری طرف تعلیمی اور فلاحی ادارے، ہسپتال اور شفاخانے اور دعوتوں دین کی تحریکیں  
و سائل کی کمی کا ردنا روتی رہتی ہیں۔ وہ جب اپنی ترقی کے لیے اور عصری ضروریات کو پورا  
کرنے کے لیے کوئی مطالبہ کرتی ہیں تو ان کو معاذرات کی جاتی ہے اور ہزار بھانے بنا کر ان سے  
جان چھڑائی جاتی ہے۔ آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ اُدھر سخاوت کے دریا اور اُدھر ایک گھونٹ کو  
بھی ترسانا!!! جیسے این ملتھ نے بہت پہلے کہا تھا: میں نے کوئی اسراف نہیں دیکھا مگر ضرور اس  
میں کسی کا حق مارا جاتا ہے۔

## • ترجیحات کا مسئلہ اور دین دار طبقہ

ترجیحات کے مسئلے میں یہ خرابی صرف حرام میں یا بے دین طبقے میں نہیں آئی۔ بلکہ خود

دین دار طبقہ بھی طرح طرح کی بے اعتدالیوں کا شکار ہے۔ کیوں کہ ان میں بھی معاملات کے درست فہم اور دین کے صحیح علم کی کمی پائی جاتی ہے۔

صحیح علم تو وہی ہوتا ہے جو آدمی کے سامنے رانج اور مر جو ح کو واضح کر دے، فاضل اور مفضول کے درمیان فرق کو نمایاں کر دے اور اس کے ذریعے معلوم ہو سکے کہ صحیح کیا ہے اور فاسد کیا، مقبول کیا ہے اور مردود کیا۔ وہ اسے بتا سکے کہ کون سی چیز سنت ہے اور کون سی بدعت۔ اسی طرح وہ شریعت کے مطابق ہر چیز کی اصل قدر و قیمت کی پہچان کرائے۔

اکثر اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ اس طرح کے لوگ جو علم کے نور سے اور معاملات کی سمجھ سے محروم ہوتے ہیں وہ مختلف امور کے درمیان قائم حدد و کو منادیتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی تمیز نہیں کرتے۔ وہ ان کے بارے میں وہ حکم لگاتے ہیں جو شریعت میں اس کے حقیقی حکم سے مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ یا تو افراط کرتے ہیں یا تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس مقام پر دین بے چارہ چکی کے دوپاؤں کی طرح تشددیں اور منحر فین کے درمیان پس جاتا ہے۔

ہم نے کئی بار دیکھا ہے کہ ایسے لوگ — اگرچہ پوری طرح مغلص ہوتے ہیں مگر وہ — رانج کو چھوڑ کر مر جو ح پر عمل ہیرا ہو جاتے ہیں، اور مفضول میں منہک ہو کر فاضل سے غفلت اختیار کر جاتے ہیں۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی عمل ایک وقت میں فاضل ہوتا ہے اور دوسرے وقت میں مفضول ہوتا ہے، اور ایک حالت میں وہ رانج ہوتا ہے اور دوسری حالت میں وہ مر جو ح ہوتا ہے۔ لیکن یہ لوگ اپنی کم علمی اور نا سمجھی کی وجہ سے ان دو حالتوں اور الگ الگ اوقات کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

میں نے بہت سے نیک طینت مسلمانوں کو دیکھا ہے کہ وہ کسی ایسے شہر میں مسجد کے لیے عطیہ دیتے ہیں جہاں پہلے سے بے شمار مساجد ہوتی ہیں اور اس پر پانچ دس لاکھ ڈالر یا اس سے بھی زیادہ رقم خرچ کر دلتے ہیں۔ مگر جب آپ ان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ اس کی آدمی یا چوتھائی کے برابر رقم دعوت اسلام کی اشاعت میں، کفر والیاد کا مقابلہ کرنے میں یا اسلامی نظام کے نفاذ کی خاطر کی جانے والی کوششوں میں یا اس طرح کے دوسرے عظیم اهداف میں خرچ کریں جن کے لیے بعض اوقات افراد تو دستیاب ہوتے ہیں مگر مال کی کمی ہوتی ہے، تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ آپ کی آواز صدا صحر اثابت ہو گی اور وہ آپ کو کوئی ثبت جواب نہیں دیں گے۔ وہ اینہوں اور پھر وہ کی عمارتیں تعمیر کرتے ہیں مگر انسانوں کی تعمیر ان کی نظر میں فضول ہے۔

ہر سال حج کے دنوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ صاحبِ ثروت مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اسی بات پر بھند ہوتی ہے کہ وہ نفلح حج کی سعادت سے محروم نہ ہوں۔ اور بہت سے لوگ ہیں کہ رمضان کے میئنے میں عمرہ کرنا بھی اپنے اوپر لازم سمجھتے ہیں۔ اس میں وہ پوری سخاوت کے ساتھ اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی اپنے ہی خرچ پر دوست احباب کو بھی ساتھ لے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نہ حج کا مکلف کیا ہوتا ہے اور نہ عمرے کا۔

ان سے جب آپ کہتے ہیں کہ وہ یہ سالانہ اخراجات فلسطین میں یہودیوں کے مقابلے کے لیے یا بوسنیا اور ہر زگ میں سربوں کے مقابلے کے لیے یا اندونیشیا، بگلہ دلیش یا دوسرے ایشیائی اور افریقی ممالک میں عیسائی مبلغین کا مقابلہ کرنے کے لیے دے دیں، یا کوئی دعویٰ اور تمہاری کمی مرکز قائم کرنے کے لیے یا ایسے داعیوں کی تیاری کے لیے خرچ کریں جو اس میں تخصص حاصل کر کے اپنے آپ کو اسی کام کے لیے وقف کریں، یا اسے تصنیف و تالیف اور ترجمہ یا دینی

کتابوں کی اشاعت کا کوئی ادارہ قائم کرنے کے لیے علیہ کر دیں، تو قرآن کے الفاظ میں: **لَوْلَا رُءُوسَهُمْ وَرَأْيُهُمْ يَضْلُّونَ وَهُمْ مُسْتَكِبُرُونَ** [المنافقون: ٥: ٦٣] تو سر جھنکتے ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ وہ بڑے گھمنڈ کے ساتھ آنے سے رکتے ہیں۔

یہ ہے لوگوں کی حالت، اور دوسری طرف قرآن سے یہ بات وضاحت کے ساتھ ثابت ہے کہ جہاد سے متعلق اعمال ان اعمال سے افضل ہیں جو ج سے متعلق ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

**أَجْعَلْنَاكُمْ سِقَايَا الْحَاجَةِ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ أَمْنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ  
وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتُرُونَ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ  
آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ  
وَأُولَئِنَّكُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يَسْبِرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةِ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَابَتْ لَهُمْ فِيهَا  
نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝ [التوبۃ: ۹: ۲۰ - ۱۹]**

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی مجاوری کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر تھیرالیا ہے جو ایمان لا یا اللہ پر اور روز آخر پر اور جس نے جاں فٹانی کی اللہ کی راہ میں؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ اللہ کے نزدیک تو انھی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھر پار چھوڑے اور جان و مال سے چہاد کیا۔ وہی کامیاب ہیں۔ ان کا رب انھیں اپنی رحمت اور خوشنودی اور ایسی جنتوں کی بشارت دعا ہے جہاں ان کے لیے پائیدار عیش کے سامان ہیں۔

اور لوگوں کا یہ طریقہ عمل اس صورت میں ہے کہ ان کا حج اور عمرہ نفلی ہوتا ہے، جبکہ کفر والیاد، لا دینیت، ابا حیث اور انھیں قوت فراہم کرنے والے دوسرے عوامل کے خلاف جہاد فریضہ وقت اور لازمی امر ہے۔

تقریباً دو سال پہلے کی بات ہے ایام حج سے قبل ہمارے دوست اور معروف اسلامی سکالر استاذ فتحی ہویدی نے اپنے ہفتہ وار مقالے میں وضاحت کے ساتھ مسلمانوں سے یہ بات کہی تھی کہ بوسنیا کی آزادی فریضہ حج پر مقدم ہے۔

جن لوگوں نے یہ مقالہ پڑھا تھا ان میں سے بہت سے لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ یہ بات شرعی اور فقیہی نقطہ نظر سے کس حد تک درست ہے۔ میں نے اس وقت کہا تھا کہ ہویدی صاحب کی بات کا ایک درست پہلو موجود ہے جو فقیہی لحاظ سے قابل اعتبار بھی ہے۔ شرعی طور پر یہ بات معین ہے کہ جو فرائض فوری طور پر مطلوب ہوں ان کو ایسے فرائض پر مقدم کیا جائے گا جن میں تاخیر کی ممکنگی موجود ہے۔ اور فریضہ حج میں تاخیر کی ممکنگی موجود ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک یہ واجب عند التراخي ہے، یعنی اس میں ڈھیل ہو سکتی ہے۔ رہا بوسنیا کے مسلمانوں کو موت، بھوک و افلas، امراض، سردی اور اجتماعی ہلاکت سے۔ جس کا انھیں سامنا ہے۔۔۔ بچانا، تو وہ ایک فوری فریضہ ہے، جسے بروقت انجام دینے کی ضرورت ہے اور اس میں نہ تاخیر کی ممکنگی موجود ہے اور نہ تراخی یعنی ڈھیل کی۔ کیوں کہ یہ فریضہ وقت ہے اور ساری امت پر آج کا اہم ترین واجب ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ فریضہ حج کو قائم کرنا اور موسم حج کو معطل ہونے سے بچانا بھی ایک فریضہ ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ لیکن یہ کام تو حرمین کے باشندوں کے ذریعے بھی انجام پاتا ہے اور ارگرد کے وہ لوگ بھی اس میں حصہ لے سکتے ہیں جن کے سفری اخراجات زیادہ نہیں ہیں۔

اس کے باوجود میرا خیال ہے کہ استاذ ہویدی کا جو مقدمہ ہے وہ اس کے بغیر بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ہر سال حج میں زیادہ ہجوم ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سے

لوگ وہ ہوتے ہیں جنہوں نے پہلے فریضہ حج ادا کیا ہوتا ہے۔ پہلی مرتبہ حج پر آنے والوں کی تعداد حاجیوں کی کل تعداد کا زیادہ سے زیادہ ۱۵ ارفی صد ہوگی۔ اگر حاجیوں کی مجموعی تعداد میں لاکھ ہوتا ان میں پہلی مرتبہ حج کرنے والے عموماً تین لاکھ سے زیادہ نہیں ہوتے۔

جو لوگ ہر سال نفل حج ادا کرتے ہیں۔ اور ان کی تعداد یقیناً دوسروں سے زیادہ ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو سارا سال نفل عمرے کرتے رہتے ہیں، خصوصاً رمضان کے دنوں میں، کاش! کہ وہ اپنے حج اور عمرے کی قربانی دیں اور ان کے اخراجات اللہ کی راہ میں دے دیں۔ یعنی اپنے مال کو اپنے ان مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو نجات دلانے کے لیے خرچ کریں جو مادی اور معنوی ہلاکت سے دوچار ہیں، جنھیں بے انتہا ظلم و جبر کا سامنا ہے۔ ان کا دشمن ان کی جان و مال اور عزت کے درپے ہے، اور چاہتا ہے کہ دنیا سے ان کا نام و نشان مٹ جائے۔ رہی ترقی یافت دنیا، تو وہ خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے اور اُس سے مس نہیں ہو رہی۔ کیوں کہ یہاں قوت کا حق غالب ہے نہ کہ حق کی قوت [یعنی جس کی لائحی اس کی بھیں]۔

میں مصر، قطر اور دوسرے خلیجی ممالک کے بہت سے دین دار دوستوں کو جانتا ہوں جو ہر سال فریضہ حج کی ادائیگی کے بڑے شوقین ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو چالیس سال سے مسلسل حج کرتے آئے ہیں۔ یہ رشتہ داروں، دوستوں اور کاروبار میں شریک بھائیوں کا ایک پورا گروہ ہے جن کی تعداد سیٹکڑوں تک پہنچتی ہے۔ ایک سال ایسا ہوا کہ میں ائمہ و نیشاں سے ابھی ابھی واپس آیا تھا اور میں نے دیکھا تھا کہ وہاں عیسائی مبلغین کتنے بڑے پیالے پر اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ مجھے محسوس ہوا تھا کہ وہاں ان کے بالمقابل تعلیمی، طبی اور اجتماعی ادارے قائم کرنے کی کتفی اشد ضرورت ہے۔ چنانچہ میں نے ان نیک طینت بھائیوں سے کہا: کیا خیال ہے اگر اس سال آپ حضرات حج کا ارادہ ترک کر دیں اور

اس پر اٹھنے والے خراجات انڈونیشیا میں عیسائیت کے خلاف خرچ کریں۔ اگر ایک سو افراد ہوں اور ایک فرد کا خرچ دس ہزار جنینہ ہو تو اس کا مجموعہ دس لاکھ جنینہ بنتا ہے۔ اس رقم سے ایک بہت بڑے منصوبے کا آغاز کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم نے اس طرح کے کسی منصوبے کا آغاز کیا اور اس کی تشبیر کی تو دوسرے لوگ بھی ہماری تقلید کریں گے اور ان کے کام میں ہمیں بھی ثواب ملے گا۔

مگر ان دوستوں نے کہا: جب بھی ذوالحجہ کا مہینہ آتا ہے تو ہم اپنے دل میں حج کا ایسا جذبہ محسوس کرتے ہیں جس کا ہم کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہم اپنی روح کو کعبہ کا طواف کرتے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔ جب ہم دوسرے لوگوں کے ساتھ حج پر حاضر ہوتے ہیں تو ہمیں اس میں بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے۔

یہ وہی بات ہے جو اس سے بہت پہلے ہشتہ حانی سے کسی نے کہی تھی۔ اگر فہم کی صحت موجود ہوتی، ایمان میں صداقت ہوتی اور مسلمانوں کے ہاں ترجیحات کے مسئلے کی اہمیت ہوتی تو یقیناً وہ اس سے زیادہ خوشی، سعادت اور روحانیت اس وقت محسوس کرتے جب وہ اپنے حج و عمرے کے اخراجات کو کسی اسلامی منصوبے کا آغاز کرنے، تیموریں کی کفالت، بھوکوں کو کھانا کھلانے، جن لوگوں کو ملک بدر کیا گیا ہے ان کو پناہ دینے، مريضوں کا علاج کرنے، ان پڑھ لوگوں کو تعلیم دینے اور بے روزگاروں کو روزگار فراہم کرنے میں صرف کر دیتے۔

میں نے بہت سے نوجوانوں کو دیکھا ہے جو یونیورسٹی کے طبقی، زرعی، انجینئرنگ، یا انبوکیشن کے شعبے میں یا دوسرے نظری یا علمی شعبوں میں پڑھتے تھے۔ وہ ان شعبوں میں کامیاب جا رہے تھے بلکہ دوسروں سے آگے تھے۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا ہو گا کہ انہوں نے اپنے اپنے شعبے سے منہ موزا اور یہ کہتے ہوئے ان کو خیر باد کہا کہ اس طرح وہ دعوت و ارشاد کے لیے فارغ ہو جائیں گے۔ لیکن اگر وہ اپنے تخصص کے شعبے میں کام کرتے۔۔۔ جو ایک فرض کفایت ہوا،

اور اگر پوری امت اس سے غفلت بر تی ہے تو گناہ کار ہو جاتی ہے۔ تو وہ اچھی نیت سے اپنے کام کو پوری مہارت کے ساتھ انعام دیتے ہوئے اور اس میں حدو واللہ کی پابندی کرتے ہوئے اسے عبادت اور جہاد میں تبدیل کر سکتے تھے۔

اگر ہر مسلمان اپنے پیشے کو چھوڑ دے تو پھر امت کی ضروریات کون پوری کرے گا؟ رسول اللہ ﷺ کو جب دنیا میں سبھوت کیا گیا تو صحابہ کرام مختلف پیشوں سے وابستہ تھے۔ آپ ﷺ نے ان میں سے کسی سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ اپنے پیشے کو چھوڑ کر اپنے آپ کو دعوت کے لیے فارغ کرے۔ ہجرت سے پہلے بھی اور ہجرت کے بعد بھی یہی طریقہ رہا کہ سارے لوگ اپنے اپنے پیشے سے وابستہ رہے۔ مگر جب جہاد کے لیے منادی کی جاتی اور انھیں جہاد کے لیے بلا یا جاتا تو سارے لوگ، خواہ ہلکے ہوتے یا بوجمل، میدانِ جہاد کی طرف چل پڑتے اور اپنی جان و مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیتے تھے۔

امام غزالی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں لوگوں کے لیے یہ بات ناپسند کی کہ ان کے اکثر طالب علم فقہ اور اس طرح کے دوسرے علوم کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور دوسری طرف مسلمان ممالک میں کسی یہودی یا عیسائی طبیب کے علاوہ کوئی معافی نہ ہوتا تھا۔ وہ انھی سے اپنے مردوں اور عورتوں کا علاج کرتے تھے اور اپنی جانیں اور عزتیں انھی کے حوالے کر دیتے تھے۔ وہ ان سے ایسے امور بھی معلوم کرتے تھے جن کا تعلق شرعی احکام کے ساتھ ہوتا تھا، جیسے روزہ دار کا روزہ افطار کرنا اور زخمی ہونے کی صورت میں تینم کرنا وغیرہ۔

میں نے کچھ اور لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ روزانہ ایسے معرکے گرم کرتے ہیں جن کا مقصد جزوی یا اختلافی مسائل پر مناظرے کرنا ہوتا ہے۔ وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ ہمارا بڑا معرکہ ایسے دشمن کے ساتھ ہے جسے اسلام سے چڑھا ہے، وہ اس سے نفرت کرتا ہے، وہ اس کو

کمزور کرنے کی آس لگائے بیٹھا ہے اور اس سے خوف زدہ بھی ہے۔ وہ اسے نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں لے جانے دیتا۔

یہاں تک کہ امریکہ، کینیڈا اور دوسرے یورپی ممالک میں رہائش پذیر مسلمان سوسائٹی میں بھی ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جن کے ہاں سب سے اہم مسئلہ جو پوچھنے کے لیے رہ گیا ہے تو وہ یہ ہے کہ گھری دائیں ہاتھ میں پہنی جائے یا باسیں ہاتھ میں، کوٹ پتلون کے مقابلے میں سفید کرتا قیص پہننا فرض ہے یا سنت، اور عورتوں کا مسجد میں جانا حلال ہے یا حرام۔ اسی طرح کھانے کے لیے میز کری استعمال کرنا اور چھری کانے سے کھانا کیا تھہ بالکفار میں شامل ہے یا نہیں ہے۔

یہ اور اس طرح کے بے شمار مسائل ہیں جو ہمارے بہت سارے اوقات کو کھا جاتے ہیں، لوگوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، دلوں کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں اور اس سے بہت سی محنتیں اور صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ کیوں کہ یہ ایسی کوشش ہے جس کا کوئی ہدف نہیں اور یہ ایسا جہاد ہے جو دشمن کے خلاف نہیں بلکہ اپنوں کے خلاف کیا جا رہا ہے۔

میں نے بہت سے نوجوانوں کو دیکھا ہے جو اپنے ماں باپ کے ساتھ اور اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ وہ گناہ گار اور دین سے منحر ہیں۔ وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے خواہ وہ مشرک ہوں اور دین کے معاملے میں جھکڑا کرتے ہوں، اور ان کی ہر طرح سے یہ کوشش ہو کہ اپنے بچے کو اسلام سے برکتی کر دیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ جَاهَدَاكُ غَلِّي أَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ  
فَلَا تُطْعِهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَغْرُوفًا [لقمان ۱۵: ۳] اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں

کہ میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مانو۔ البتہ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برداشت کرتے رہو۔

اس طرح والدین کی طرف سے اس پُر زور دباؤ کے باوجود— جسے قرآن نے مجاهدہ علی الشوک کہا ہے — اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ان کے ساتھ معروف کے ساتھ پیش آیا جائے۔ کیوں کہ والدین کا حق ایسا ہے جس پر اللہ کے سوا کسی کا حق فویت نہیں رکھتا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أَنِ اشْكُرْ لِي وَلُوَالَّذِيْكَ إِلَيْيَ الْمَصِيرُ [لقمان ۱۳:۳] میرا شکر کرو اور اپنے والدین کا شکر بھی بجالاؤ، میری ہی طرف تجھے پلٹ کر آنا ہے۔

مگر شرک میں ان کی اطاعت منوع ہے کیوں کہ لَا طَاغِيَةٌ لِمَخلُوقٍ فِي مَغْصِيَةِ الْخَالِقِ [خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں] رہا معروف کے ساتھ پیش آنے کا معاملہ تو اس سے کوئی چھکار نہیں ہے اور اس سے جان چھڑانے کے لیے کوئی عذر نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کے ساتھ صدر جی کا حکم دیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَأَنْقُوا اللَّهَ الْدِيْنُ نَسَاءَ لُؤْنَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَفِيقًا [النساء ۲۱] اس خدا سے ڈر جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قربات کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر گھرانی کر رہا ہے۔

انحطاط کے دور میں مسلمان جن بڑی عادات کے شکار ہوئے اور اب تک چلے آ رہے ہیں ان میں سے چند عادات یہ ہیں:

۱- انہوں نے ایسے فرائض کفایہ کو بڑی حد تک چھوڑ دیا ہے جن کا تعلق بحیثیت مجموعی پوری امت کے ساتھ تھا، مثلاً سائنسی، صنعتی اور عسکری برتری، جو امت کو اپنے اختیارات کا

مالک بناتی ہے اور اسے — صرف دعوے اور قول کی حد تک نہیں بلکہ — حقیقی معنوں میں دنیا کی قیادت دلاتی ہے۔ یا مثلاً فقہی مسائل میں اجتہاد اور احکام شریعت کا استنباط، دعوتِ اسلامی کی نشر و اشاعت، شوریٰ کے حکمِ ربیانی کو بیعت اور آزادانہ اختیارات کی بنیاد پر قائم کرنا، ظالم اور دین سے مخرف بلکہ دین و شمن حکمران کے خلاف جہاد کرنا وغیرہ۔

۲- انہوں نے بعض ایسے امور کو بھی چھوڑ دیا ہے جو فرض میں کے درجے میں ہیں، یا اگر چھوڑنا نہیں تو کم از کم یہ ہے کہ انھیں وہ مقام نہیں دیا جوان کو دینا چاہیے تھا۔ جیسے امر بالمعروف اور نبی عن المنکر کا فریضہ، جسے قرآن نے اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے نماز اور زکوٰۃ سے بھی زیادہ اہمیت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أُولَئِكَ أَعْظَمُ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَا عَنِ الْمُنْكَرِ وَيَقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيَنْذُرُونَ الزَّكَاءَ [الٹوبہ ۹: ۱۷] مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔

اس فریضے کو امت مسلمہ کے بہترین امت ہونے کا سب سے پہلا سبب قرار دیا گیا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِيَ جَعَلَ لِلنَّاسِ قَائِمُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَا عَنِ الْمُنْكَرِ وَقَوْمٌ نُّونَ بِاللَّهِ [آل عمران ۳: ۱۱۰] اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت اور راصلاح کے لیے میدان میں لا یا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس فریضے کے ترک کو بنی اسرائیل کے لیے ان کے نبیوں کی زبان سے لعنت کیے جانے کا ذریعہ بتایا گیا ہے: لَعْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانٍ ذَاوِذَ وَعَنْسَىٰ اُبْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصُوا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ كَانُوا لَا يَتَاهُونَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوٰهُ

لِبَسْ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ [المائدة: ٥-٧-٨] بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا رہا اختیار کی ان پردازوں نے اور عیسیٰ ﷺ اور بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیوں کہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے، انہوں نے ایک دوسرے کو بڑے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ برادر طرز عمل تھا جو انہوں نے اپنایا۔

۳۔ بعض اركان کو بعض دوسرے اركان پر زیادہ اہمیت دی ہے۔ مثلاً نماز کے مقابلے میں روزے کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان میں دن کے وقت کوئی مسلمان مرد یا عورت بہت کم کھانا کھاتے ہوئے نظر آتے ہیں ہے، خاص طور دیہاتی علاقوں میں۔ لیکن بہت سے مسلمان، خصوصاً خواتین، نماز میں غفلت کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جنہوں نے عمر بھر میں ایک مرتبہ بھی اللہ کے سامنے رکوع اور بجھہ کرنے کی زحمت نہیں کی ہوگی۔ اسی طرح بعض لوگ پائے جاتے ہیں جو نماز کا تو بہت اہتمام کرتے ہیں مگر زکوٰۃ کے معاملے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ۲۸ مقامات پر ان دونوں کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے اور جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا اس کی نماز نماز ہی نہیں ہے۔<sup>۱۲</sup>

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا تھا کہ وَاللَّهِ لَا فَرْقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ۔ خدا کی قسم! میں ان لوگوں کے خلاف ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق روارکھتے ہیں۔<sup>۱۳</sup>

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد پر اسی طرح متفق ہو گئے تھے جس طرح

- ۱۲۔ اس قول کو پہنچنی نے المجمع ۶۲:۳ میں ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ اسے طبرانی نے الکبیر میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

- ۱۳۔ تحقیق علیہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، بحوالہ: اللول و المرجان فیما اتفق علیہ الشیخان، حدیث ۱۳۔

کہ وہ نبوت کے جھوٹے دعوے داروں اور ان کی پیروی کرنے والے مرتدین کے خلاف متفق ہے۔ اس طرح گویا اسلامی حکومت روئے زمین پر وہ پہلی حکومت تھی جس نے غریبوں کے حقوق کی جگہ لڑی۔

۴۔ بعض نوافل کا اتنا اہتمام کیا جاتا ہے جتنا فرائض اور واجبات کا نہیں کیا جاتا۔ اور یہ بات بہت سے دین دار لوگوں میں دیکھی جاسکتی ہے جو ذکر و اذکار اور تسبیحات و اوراد کا بے حد اہتمام کرتے ہیں مگر ان کے ہاں بعض فرائض کے بارے میں یہ اہتمام دیکھنے میں نہیں آتا۔ خصوصاً معاشرتی فرائض جیسے والدین کے ساتھ حسن سلوک، رشتہ داروں کے ساتھ صدر جمی، پڑوی کے ساتھ احسان، کمزوروں پر رحم کرنا، قیمتوں اور مسکینوں کا خیال رکھنا، منکر کو روکنا اور اجتماعی و سیاسی ظلم و جبر کے خلاف جہاد کرنا۔

۵۔ بعض اوقات انفرادی عبادات، جیسے نماز اور ذکر وغیرہ کی بڑی پابندی کی جاتی ہے مگر اجتماعی فرائض عبادات، جن کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہے ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ جیسے جہاد، علم، اصلاح بین الناس، نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون، صبر اور رحم کی تلقین، عدل و انصاف اور شوریٰ کے قیام کی دعوت، عمومی انسانی حقوق کی پاسداری اور خاص طور پر کمزور انسانوں کا خیال رکھنا۔

۶۔ بہت سے لوگ فروعی اعمال کی طرف حد سے زیادہ توجہ دیتے ہیں اور اصول کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ حالانکہ کسی بزرگ کا قول ہے کہ مَنْ ضَيْعَ الْأُصْوَلَ حُرِمَ الْوُصُولُ۔ [یعنی جس نے بنیاد کو چھوڑ دیا وہ منزل پر نہیں پہنچ سکتا]۔ انہوں نے پوری عمارت کی بنیاد یعنی عقیدہ توحید، ایمان بالله اور اخلاص فی الدین سے غفلت بر تی ہے۔ ۱۵

۱۵۔ یہ بات آگے مؤلف نے امام راغب کے حوالے سے لفظ کی ہے۔ [ترجم]

۷۔ اسی طرح کے مسائل میں، جن کے درمیان توازن میں خلل پیدا ہوا ہے، ایک بات یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ مکروہات اور مشتبہ امور کے خلاف برس پیکار چیزیں مگر انہوں نے کھلی حرام اشیا کے بارے میں اتنی سرگرمی نہیں دکھائی، نہ ان واجبات کو قائم کرنے کا کوئی خاص اہتمام کیا ہے جنہیں لوگوں نے چھوڑ کر ضائع کر دیا ہے۔ اور اسی طرح کا معاملہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگ ان امور پر اپنی زیادہ قوتیں صرف کرتے ہیں جن کی حلتوں و حرمت میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ان چیزوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے جن کی حرمت قطعی اور یقینی ہے۔ دوسری طرف کچھ لوگ ایسے ہیں جو اسی طرح کے اختلافی مسائل کے ساتھ چلتے ہوئے ہیں اور انہوں نے اسے زندگی اور موت کا مسئلہ ہنادیا ہے، جیسے تصویر، موسیقی، چہرے کا پرداہ اور اس طرح کے دوسرے مسائل۔ گویا کہ ان کا بھی اس کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے کہ وہ ان مسائل کے گرد جنگ کی بھڑکائی ہوئی آگ کو ایندھن فراہم کریں اور لوگوں کو زبردستی اپنی بات ماننے پر مجبور کریں۔ حالانکہ وہ بڑے اور فیصلہ کن لڑائیوں سے غافل ہیں جن کا تعلق آمت کے وجود، اس کے انجام، اور دنیا کے نقشے پر اس کی بقا کے ساتھ ہے۔

اسی طرح کے مسائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض لوگ صغار کو ختم کرنے کے لیے ایڈی چوٹی کا زور لگاتے ہیں مگر ہلاکت میں ڈالنے والے کبیرہ گناہوں سے غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں، خواہ وہ دینی لحاظ سے ہلاکت میں ڈالنے والے ہوں [جیسے: غیب کی خبریں بتانا، جادو کرنا، علمِ نجوم، قبروں کو سجدے کرنا، ان کی نذریں چڑھانا، مُردوں کے پر نام جانور ذبح کرنا، ان سے استغاثت کرنا، ان سے اپنی حاجتیں مانگنا، مصیبتیں دور کرواانا، اور اس طرح کے دوسرے اعمال جن کی وجہ سے عقیدہ توحید کی شفافیت مکدر ہوتی ہے]، یا معاشرتی اور سیاسی طور پر ہلاکت سے دوچار کرنے والے ہوں [جیسے شوری اور عدل اجتماعی کا ضائع ہونا، آزادی، انسانی حقوق، احترامِ آدمیت کا نہ ہونا، معاملات کو غیر اہل لوگوں کے پسروں کرنا، انتخابات میں

دھاندلي کرنا، قومي دولت لوٹنا، نسلی اور طبقاتی امتیازات کو رواج دینا اور عیش و عشرت کی فراوانی]۔

یہ ایک بہت بڑی بیماری ہے جو ترجیحات اور ان کے معیارات کے بارے میں ہماری امت کو لاحق ہو چکی ہے۔ بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بڑے کو چھوٹا بنانا کر پیش کیا جاتا ہے اور چھوٹے کو بڑا کرنے کا رجحان ہے۔ ایک بے حقیقت چیز کو پہاڑ بنالیا جاتا ہے اور ایک اہم ترین معاملے کو بالکل نظر انداز کیا جاتا ہے۔ پہلے کو آخر پر رکھا جاتا ہے اور آخر کو پہلے لا یا جاتا ہے۔ فرضوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور نوافل کی پابندی کی جاتی ہے۔ صغار کے بارے میں فکر مندی کا اظہار ہوتا ہے اور کبائر کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ اختلافی مسائل کے لیے میدان جنگ گرم کیا جاتا ہے اور متفقہ احکام ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ساری باتیں آج کے دور میں امت مسلمہ کو اس ضرورت کا احساس دلاتی ہیں، بلکہ شدت کے ساتھ اس بات کا محتاج ہناتی ہے کہ وہ ترجیحات کے مسئلے کو سمجھے، تاکہ وہ اس کی روشنی میں اپنے طریق کا رکھنے سرے سے جائزہ لے، اس کے بارے میں گفت و شنید کرے، افہام و تفہیم کرے اور ہر ایک اپنی بات سامنے رکھے۔ اس کے نتیجے میں ذہنوں ”دولوں کو اطمینان نصیب ہو گا، بصیرت کو روشنی ملے گی اور اس کے بعد امت کے ارادے عملی خیر اور خیر العمل کی طرف متوجہ ہوں گے۔